جوہری توانائی کا پھیلاؤ اور اس کا غبار

مصنف: ڈاکٹر شیریں مزاری*

جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے (NPT) کی خلاف ورزی کرنے والوں اور عالمی سطح پر نجی اور خفیہ اداروں کی طرف جو جوہری توانائی کی ٹیکنالوجی ایران، لیبیا اور شمالی کوریا منتقل کرنے کے الزام میں ملوث ہیں بین الاقوامی برادری جس طرح اپنی توجہ مرتکز کیے ہوئے ہے، بدقسمتی سے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی سرکردگی میں پاکستانی سائنسدان اس کا نشانہ بن گئے ہیں۔ تاہم بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی (IAEA) کے افسر اعلیٰ البرادی نے اس بارے میں ایک بیان دیا ہے اور کہا ہے کہ ڈاکٹر خان تو جوہری توانائی کے برفانی تودے کا محض ایک سرا ہیں، تودے کا بقیہ حصہ عرصہ سے یورپ اور امریکہ پہنچا ہوا ہے جس کا نہ صرف فرانس اور امریکہ جیسے ممالک کو علم ہے بلکہ وہ خود اس میں ملوث ہیں:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام

وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

دراصل جوہری توانائی کے اولین پھیلانے والوں میں امریکہ اور فرانس کی حکومتیں نمایاں طور پر ملوث ہیں، افراد نہیں بلکہ ان دونوں ملکوں کی ذمہ دار حکومتیں۔ جس ملک نے اس سے فائدہ اٹھایا وہ اسرائیل ہے۔ اسرائیل کا جوہری توانائی کا پروگرام جس کا آغاز ۱۹۵۲ء میں ہوا تھا اور اس کے ایٹمی توانائی کے کمیشن کا قیام عمل میں آیا تھا درحقیقت فرانس کی حکومت کی مدد سے ہی عملی شکل اختیار کر گیا۔

---

* مترجم: پروفیسر منور علی خان

ابتدا میں فرانس نے اسرائیل کو ۱۹۵۶ء میں ۱۸ میگاواٹ کا جوہری توانائی ری ایکٹر فراہم کرنے پر رضا مندی کا اظہار کیا تھا لیکن بعد میں ۱۹۵۶ء کی جنگ سویز میں اسرائیل کی حمایت کے بدلے میں فرانس نے اسرائیل کی جوہری توانائی کے حصول کی خواہش پوری کرنے کے لیے اس سے بڑھ کر امداد کی یقین دہانی کرائی لہذا جب اسرائیل نے مصر پر حملہ کر دیا تو (اکتوبر ۱۹۵۷ء میں) ۲۴ میگاواٹ کا ری ایکٹر فراہم کرنے کے لیے معاہدے میں ترمیم کی گئی اور آلات کو ٹھنڈا رکھنے اور جوہری فضلے کو ٹھکانے لگانے کی سہولتوں کے طریقوں کو اس معیار پر تیار کیا گیا جو اس سے سہ گنی توانی کے ری ایکٹر کے لیے بھی کافی ہوں۔ اس میں سے کوئی عمل بین الاقوامی ایٹمی توانائی ایجنسی (IAEA) کے حفاظتی اقدامات سے کسی بھی اعتبار سے بھی مطابقت نہ رکھتا تھا۔ لطف یہ ہے کہ دستاویزی شرائط کے مسودے (Protocols) تحریر کرائے بغیر یہ بھی طے کیا گیا کہ فرانس اسرائیل کو یورینیم (Uranium) کو مختلف مراحل سے گذارنے کے لیے ایک کیمیاوی ری پروسیسنگ پلانٹ (Chemical Reprocessing Plant) بھی فراہم کرے گا۔ فرانس اور اسرائیل کے درمیان اس معاہدے سے پہلے کبھی کسی ملک نے کسی دوسرے ملک کو جوہری توانائی کے حصول کے لیے ذرائع فراہم نہیں کیے۔

اسرائیل کے ساتھ اس معاہدے کے تحت فرانس نے اسرائیل کے ری ایکٹر کے لیے ثقیل پانی (وہ پانی جس میں ہائیڈروجن کی مقدار زیادہ ہو) ناروے سے خریدا اور اس طرح ناروے کی حکومت کو دی ہوئی اس یقین دہانی کی خلاف ورزی کی کہ وہ کسی تیسرے ملک کو یہ ثقیل پانی منتقل نہیں کرے گا۔ فرانسیسی ایئر فورس نے خفیہ طریقے سے بذریعہ ہوائی جہاز ۲۰ ٹن ثقیل پانی اسرائیل کو پہنچا دیا۔ فرانسیسی حکومت نے اپنے اس پر فریب عمل کو جاری رکھنے کے لیے اور بہت سے اقدامات کیے۔ مثلاً ایک رپورٹ کے مطابق فرانسیسی کسٹم کے عملے کو یہ بتلایا گیا کہ ری ایکٹر کے بہت بڑے پرزے یعنی ری ایکٹر ٹینک دراصل لاطینی امریکہ کو بھیجے جانے والے پانی کی نمکینی کو دور کرنے والے پلانٹ

Desalination Plant کا حصہ ہیں۔

اس پروجیکٹ پر فرانس اور اسرائیل کے درمیان اختلافات ہوجانے کے باوجود ۱۹۶۰ء میں فرانس اسرائیل کو ری ایکٹر کے پرزوں کی فراہمی مکمل کرنے کے لیے رضا مند ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۶۴ء میں ڈائمونا (Dimona) ری ایکٹر نے کام کرنا شروع کر دیا بلکہ فرانس نے اسرائیل میں ری پروسیسنگ کمپلیکس Reprocessing Complex بھی بنادیا۔

فرانس کو اس بات کا ذرا سا احساس بھی نہ ہوا کہ اس نے اسرائیل کو جوہری ہتھیار بنانے کے لیے بنیاد فراہم کر کے کوئی غلطی کی ہے بلکہ فرانسس پیرین (Francis Perrin) نے جو فرانسیسی محکمہ رسد رسانی (L'Energie Atomidue) کا سابق ہائی کمشنر تھا بتایا کہ فرانس نے ۱۹۵۰ء کی دہائی میں اسرائیل کے جوہری توانائی کے پروگرام میں تعاون کر کے امریکہ کے ساتھ کیے گئے کسی معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی کیونکہ ایسے کسی معاہدے کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

لہٰذا ان دلائل کی روشنی میں وہ ملک اور ان ملکوں کے شہری جنہوں نے این پی ٹی (NPT)، ایم ٹی سی آر (MTCR) یا اسی قسم کے دوسرے معاہدوں پر دستخط نہیں کیے ہیں وہ دوسرے ملکوں کی میزائل اور جوہری توانائی کے حصول میں امداد کر کے کسی جرم کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو یوں سمجھا جائے گا کہ کیا مختلف ملکوں کے لیے مختلف معیار ہیں اور دلائل بھی کیا ان کے لیے مختلف ہیں اور یہ فرق کیا مذہب کی بنیاد پر بھی برتا جاتا ہے؟ اس سلسلے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ پیرین نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ممکن ہے فرانس نے برطانیہ کے ساتھ کیے ہوئے کسی معاہدے کی خلاف ورزی کی ہو۔ وہ فرانسیسی سائنسدان جو امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کے درمیان جوہری توانائی کے سلسلے میں اشتراک میں شریک تھے وہ برطانوی حکومت کی طرف سے فری فرنچ ادارے کے رکن کی حیثیت سے کام کر رہے تھے اور انہوں

نے برطانیہ کے آفیشل سیکریٹس ایکٹ(British Official Secrets Act) پر دستخط بھی کیے تھے۔

اسرائیل کے جوہری توانائی کے حصول کے پروگرام میں اعانت اور حوصلہ افزائی کے لیے فرانس تنہا نہ تھا۔ امریکہ کو جو کہ خاص طور پر اسرائیل کو فوجی امداد دینے والا ملک ہے، اسرائیل کے جوہری توانائی کے حصول کے پروگرام کا پوری طرح علم تھا۔ انڈیانا یونیورسٹی کے فیلو سر ٹموتھی گارڈن(Sir Timothy Garden) کے مطابق اسرائیل نے ۱۹۵۴ء میں امریکہ کے ساتھ جوہری توانائی کے حصول میں باہمی تعاون کے معاہدے پر دستخط کر دیے تھے۔ ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۶ء کے درمیان اسرائیل کے پچاس سے زیادہ جوہری توانائی کے ماہرین نے امریکہ کے سب سے بڑے سائنسی اداروں میں ابتدائی تربیت حاصل کی تھی۔ اسرائیل نے ۱۹۵۵ء ہی سے ۶ سے لے کر ۱۰ کلوگرام سالانہ کی مقدار میں یورینیم ۔حاصل کر۔نا شروع کر دیا تھا جو ۱۹۶۶ء تک ۴۰ کلوگرام تک پہنچ گیا تھا۔ ۱۹۵۵ء میں امریکہ نے اسرائیل کو ایک چھوٹا جوہری توانائی کا ری ایکٹر فراہم کیا جو ۱۹۶۰ء میں چلنے لگا۔ ۱۹۵۸ء میں امریکہ کے جاسوسی ہوائی جہازوں نے ڈائمونا کمپلیکس کی تصویریں اتاریں لیکن امریکہ کا ایٹمی توانائی کا کمیشن (AEC) ۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری حصہ میں اسرائیلی حکومت کے عدم تعاون کی وجہ سے ڈائمونا کی سہولتوں کا معائنہ نہ کر سکا۔ ایک تجزیہ نگار روہان پیئرس(Rohan Pearce) کے مطابق اپنے جوہری توانائی کے کمپلیکس کے معائنے میں مزاحمت کرنے اور اس کے اوقات کو بدلنے کے علاوہ ایٹمی توانائی کے کمیشن AEC کے اراکین کو بیوقوف بنانے کے لیے اسرائیل نے ظاہری رکاوٹ کی دیواریں اور اینٹوں کے دریچے کھڑے کر دیے تھے۔ جیسا کہ پیئرس نے لکھا ہے کہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی امریکی حکومت کی ایک تحریر جس میں اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے افسران اور اے ای سی (AEC) کے نمائندوں کے درمیان تبادلۂ خیال ہوا ظاہر کرتی ہے کہ اسرائیل کا جوہری توانائی کے ہتھیار تیار کرنے کی سہولتیں رکھنا امریکہ کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس تحریر سے یہ واضح ہو گیا کہ امریکہ خود اسرائیلی جوہری توانائی کے کمپلیکس کے حقیقی معائنے کی حمایت نہیں کرتا۔

فرانس اور امریکہ کی طرف سے اسرائیل کے جوہری توانائی کے بلا تحفظ حصول میں امداد کرنے کا یہ نتیجہ نکلا کہ ڈائمونا کا جوہری توانائی کا کمپلیکس ۸ کلوگرام سالانہ کی مقدار میں پلوٹونیم تیار کرنے لگا جسے مزید کارآمد بنانے کے عمل (Reprocessing) سے گذار کر اسرائیل ایک یا دو جوہری توانائی کے ہتھیار بنا سکنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

۱۹۶۷ء سے لے کر جنوبی افریقہ میں نسلی منافرت (Apartheid) کے زوال تک اسرائیل نے ڈائمونا کمپلیکس کے لیے جنوبی افریقہ کی نسلی منافرت کی حامی حکومت کے ذریعے ۵۵۰ ٹن کی مقدار میں یورینیم حاصل کیا۔ یہ بات عام ہے کہ دونوں ملکوں نے مشترکہ طور پر ستمبر ۱۹۷۹ء میں جوہری توانائی کے ہتھیاروں کو بحر ہند میں ٹیسٹ کیا۔ ۱۹۹۷ء میں اسرائیلی پریس کی خبروں کے مطابق یہ بات واضح ہوگئی کہ دونوں ملکوں نے جوہری توانائی کی صلاحیت کے حصول کے لیے ایک دوسرے کی مدد کی۔ ۱۹۸۶ء میں پہلی مرتبہ اسرائیل کے جوہری توانائی کے ہتھیار رکھنے کی علی الاعلان تصدیق کی گئی جب کہ موردیچائی ونونو (Morde chai Vanunu) نے برطانیہ کے سنڈے ٹائمز کو اسرائیلی جوہری توانائی کی سہولتوں کی تصاویر دے دیں۔ ونونو ڈامونا میکون ۲ (Dimona Machon 2) میں ۱۹۷۶ء اور ۱۹۸۵ء کے درمیان ایک ٹیکنیشن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اس کے بعد سے فلسطینی سیاست کی بائیں بازو کی تنظیم کی حمایت کے الزام میں برطرف کر دیا گیا۔ میکون ۲ پلوٹونیم اور جوہری بم کے اجزائے ترکیبی بنانے کے لیے مشہور ہے۔

ان تمام معروف حقائق کے ساتھ امریکہ جوہری توانائی اور فوجی صلاحیت کے حصول میں اسرائیل کی حمایت اور حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ اکتوبر ۱۹۹۸ء میں اسرائیل اور امریکہ نے ایک معاہدہ کیا جس کے ذریعے امریکہ نے اسرائیل کی دفاعی اور مزاحمتی صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ ایک اور معاہدہ جس کے متعلق فروری ۲۰۰۲ء میں علم ہوا جوہری توانائی اور توانائی کی دوسری ٹیکنالوجیز (Technologies) کے حصول میں

تعاون سے متعلق تھا۔ اس معاہدے کے ذریعے اسرائیل کے سائنسدانوں کو امریکی جوہری ٹیکنالوجی سے استفادہ کرنے کی ایک مرتبہ پھر اجازت مل گئی ہے لہذا اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اکتوبر ۲۰۰۳ء میں اسرائیل اور امریکی کارکنان نے یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے امریکہ کے ہارپون کروز میزائل(harpoon Cruise Missile) جو نیوکلیر وار ہیڈس Nuclear Warheads سے مسلح تھے اسرائیل کو فراہم کرنے میں تعاون کیا جو اسرائیل کے ڈولفن کلاس سب میرینز(Dolphin Class Sub Marines) کے فلیٹ Fleet کا حصہ بنے (جنگ کے مقاصد کے لیے زیرآب چلنے والی آبدوز کشتیوں کا بیڑا)۔

اسرائیل کو جوہری توانائی کی صلاحیت فراہم کرنے کے لیے جوہری توانائی کے پھیلاؤ میں امریکہ اور فرانس کے اس کردار کے علاوہ جوہری توانائی کے میدان میں ہندوستان اور اسرائیل نے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا ہے اور یہ بات سب کے علم میں ہے کہ ہندوستان نے ۱۹۹۸ء میں جب دوسری مرتبہ اپنی جوہری توانائی کا ٹیسٹ کیا تو یہ ہندوستان اور اسرائیل کا ایک مشترکہ منصوبہ تھا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ ہندوستان کے جوہری توانائی کے ماہرین جوہری ٹیکنالوجی کے میدان میں ۱۹۸۰ء کی دہائیوں سے اسرائیل کے ساتھ اشتراک کے لیے کوشش کر رہے تھے۔ مساڈ(Mossad) کے ایک سابق ایجنٹ اوسٹروسکی(Ostrovsky) نے اپنی کتاب(By Way of Deception) میں بیان کیا ہے کہ اسے یہ کام بھی سپرد کیا گیا تھا کہ وہ ۱۹۸۴ء کی جولائی کے وسط میں ہندوستانی جوہری توانائی کے سائنسدانوں کے ایک گروپ کے ساتھ اسرائیل جائے جو اسرائیلی جوہری توانائی کے ماہرین کے ساتھ ملاقات اور اسی موضوع پر تبادلۂ خیال کے خفیہ مشن پر آ ے تھے۔

یہ بھی قابل غور ہے کہ جوہری توانائی کے پھیلاؤ میں ملوث ممالک میں یہ کوششیں صرف حکومتی سطح تک محدود نہیں تھیں بلکہ امریکہ کی جوہری توانائی کی تمام سہولتوں سے جوہری مواد چرا کر اسرائیل پہنچایا گیا جس کے دستاویزی

ثبوت موجود ہیں اور امریکہ میں ایسے افراد موجود ہیں جو امریکہ میں اہم مقامات پر فائز ہیں اور اسرائیل کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اس کی مثال جوناتھن پولارڈ (Jonathan Pollard) کے مشہور و معروف قصے سے دی جا سکتی ہے (جسے امریکہ نے قید کر دیا تھا اور اسرائیل نے قید کے دوران ہی اس کی خدمات کے صلے میں اسے اسرائیلی شہریت سے نواز دیا تھا)۔

لہذا یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ آج بھی اسرائیل کے اسلحہ خانے میں تقریباً ۳۰۰ جوہری توانائی کے ہتھیار موجود ہیں۔ اس کے باوجود بے حد مہلک ہتھیاروں پر عمومی طور سے جو بین الاقوامی مباحثے ہوتے ہیں اور جو خصوصی طور سے جوہری توانائی سے متعلق ہوتے ہیں ان میں سے کسی میں بھی اسرائیل کے اس پہلو کو کبھی زیر غور نہیں لایا جاتا۔

امریکہ اور یورپی ممالک کی طرف سے جوہری توانائی کا پھیلاؤ حکومتی سطح تک ہی محدود نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپین حکومتوں کی طرف سے ان دھڑوں اور خفیہ تنظیموں کو بے نقاب کرنا اور این پی ٹی (NPT) اور این ایس جی (Nuclear Suppliers Group) کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر انہیں سزا دینا باقی ہے۔ اگر ایران اور آئی اے ای اے (IAEA) نے اس سلسلے میں پاکستان کی نشاندہی کر کے پاکستان کو ذمہ دار قرار دیا ہے تو اسی کے ساتھ انہوں نے کچھ یورپی ممالک مثلاً جرمنی اور ہالینڈ کو بھی ملوث قرار دیا ہے لیکن مغربی پریس میں اس معاملے میں ان دونوں ممالک پر کوئی تنقید نہیں کی گئی جب کہ وہی پریس پاکستان کو نشانہ بنا رہا ہے اور اس سے بیزاری کا اظہار کر رہا ہے۔ یہ ایک عجیب تضاد ہے۔ مانا کہ کچھ پاکستانیوں نے اس سلسلے میں غیر مناسب طرز عمل اختیار کیا ہو اور حصول دولت کی طمع نے انہیں قومی مفاد اور قواعد و قوانین کی خلاف ورزی کی طرف راغب کر دیا ہو لیکن خلاف ورزی کے اس انفرادی عمل سے پاکستان نے نہ تو بین الاقوامی معاہدوں کو پامال کیا اور نہ قوانین کی خلاف ورزی کی کیونکہ پاکستان نہ تو این پی ٹی

NPT میں شامل ہے اور نہ این ایس جی NSG کا رکن ہے۔

یہ جواز ان یورپین ممالک اور افراد کے متعلق یقیناً نہیں پیش کیا جا سکتا جنہوں نے افزودگی کی ٹیکنالوجی اور جوہری توانائی سے متعلق دوسری معلومات ایران اور اسرائیل جیسے ممالک کو فراہم کی ہیں۔ بالآخر فرانس اور امریکہ نے ای پی ٹی NPT پر اسی طرح دستخط کیے ہیں جس طرح جرمنی اور ہالینڈ نے کیے اور یہ سب ممالک این ایس جی (NSG) کے بھی رکن ہیں لہذا اگر وہ حکومتی سطح پر یا افراد کی حیثیت سے نجی طور پر جوہری توانائی سے متعلق معلومات کی منتقلی کے مرتکب ہیں تو وہ نہ صرف اپنے ہی قوانین کی خلاف ورزی کے جرم میں ملوث ہیں (کیونکہ این ایس جی کے قواعد وضوابط رکن ممالک کے برآمدی قوانین کا حصہ ہیں) بلکہ بین الاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی کے بھی۔ لہذا اسی کے مطابق ان کے خلاف کارروائی کی جانی چاہیے۔

ڈچ حکومت نے بالآخر اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس بات کا امکان ہے کہ حساس جوہری توانائی کی ٹیکنالوجی جسے ایک ڈچ کمپنی نے تیار کیا تھا شمالی کوریا، لیبیا اور ایران منتقل کر دی گئی ہو۔ اسی بات کا نیدرلینڈ کی حکومت کی دو وزارتوں نے بھی ۱۹ جنوری ۲۰۰۴ء کو اعتراف کیا ہے لیکن جو افراد منتقلی کے اس عمل میں ملوث ہیں ان کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ لہذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہالینڈ میں ایسے حساس تنصیبات کی حفاظت اس طرح کیوں نہیں کی جاتی جس طرح جوہری توانائی کی سہولتوں کی حفاظت کی جانی چاہیے بالخصوص جوہری توانائی نہ رکھنے والے علاقوں میں جو این پی ٹی (NPT) کے رکن بھی ہیں؟

یورپ کے نجی اداروں کی حساس جوہری توانائی کی ٹیکنالوجی کی منتقلی کا کاروبار اس قدر وسعت اختیار کر چکا ہے کہ آئی اے ای اے (IAEA) کے ڈائریکٹر جنرل نے بتایا ہے کہ اس وقت عالمی سطح پر جوہری توانائی سے متعلق مواد اور اس کے پرزوں کی منتقلی کا کالا دھندا (ممنوعہ کاروبار) اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ ہتھیاروں کے متلاشی ممالک کے لیئے اسے وال مارٹ (Wal-Mart) کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جسے ہم نجی سیکٹر کے جوہری توانائی کے پھیلاؤ کا

وال مارٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب بات یہ ہے کہ یورینیم کی افزودگی کی مختلف سہولتوں کی معلومات سے متعلق کوئی بات بھی صیغۂ راز میں نہیں ہے لہٰذا جب یہ معلومات چوری چھپے بعض افراد کی کج روی کے ذریعے حاصل کی گئی ہوں تو صاف ظاہر ہے کہ نہ کوئی خفیہ راز چرایا گیا ہے اور نہ اسے افشا کیا گیا ہے۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ سوئیڈن کے بے حد قابل اعتماد ادارے نے جس کا کام ہتھیاروں پر پابندی لگانا اور تخفیف اسلحہ اور امن وامان سے متعلق تحقیق کرنا ہے جسے ایس آئی پی آر ای (SIPRI) کہا جاتا ہے اپنی ۱۹۸۳ء کی مطبوعہ کتاب *Uranium Enrichment And Nuclear Weapons Policy* میں جس کے مصنف کراس ایت ایل (Karass,et al) ہیں یورینیم کی افزودگی کے لیے مرکز گریز تیز رفتار آلہ جات کی دو قسموں کی تفصیلات بتائی ہیں۔ اس کتاب میں سینٹری فیوج ڈیزائنز (Centrifuges Designs) کی تصاویر بھی ہیں یعنی یورینکو ڈیزائن (Urenco Design) اور جاپانی ڈیزائن (Japanese Design)۔ ماہرین کے لیے بھی ان دونوں ڈیزائنوں میں فرق کرنا مشکل ہے (جیسا میں نے محسوس کیا جب میں نے ایک ماہر سے اس بارے میں تبادلۂ خیال کیا) سپری (SIPRI) کی اس کتاب سے دو اہم مسئلے ابھرتے ہیں۔ کیا اس کتاب نے سوئیڈن کے کیے ہوئے بین الاقوامی معاہدوں اور ساتھ ہی اپنے قومی قوانین کو توڑا ہے؟ کیا سوئیڈن جوہری توانائی کے پھیلاؤ کے جرم کا بالواسطہ مرتکب ہے؟ آئی اے ای اے (IAEA) اور سوئیڈن حکومت کو اس معاملے میں اور (SIPRI) کی دوسری مطبوعات کے سلسلے میں سنجیدگی کے ساتھ تحقیق کرنی چاہیے۔

دوسرے یہ کہ ایران کے یورینیم کی افزودگی کے مرکز گریز تیز رفتار آلہ جات (Centrifuges) کے متعلق تحقیق سے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یورینکو ڈیزائن کے مطابق ہیں؟ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایران

یورینیم کی افزودگی کے آلہ جات کے اصلی فراہم کرنے والوں کو بچانے کے لیے پاکستان کو جال میں پھنسا رہا ہے لہذا ہم ہندوستان اور ایران کے درمیان سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبے میں ایک معاہدہ ہونے کا حوالہ دینے میں حق بجانب ہیں اور ہم یہ بتانے میں بھی حق بجانب ہیں کہ امریکہ کی مخالفت کے باوجود ہندوستان نے ۱۹۹۱ء میں جوہری توانائی کا ۱۰ میگا واٹ کا ری ایکٹر ایران کے ہاتھ فروخت کیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ برطانیہ اور امریکہ جو اپنے آپ کو مہلک ترین ہتھیاروں کے خلاف محاذ آرائی کا حامی ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس مسئلے پر اتنا کچھ داؤ پر لگا دیا ہے وہ خود مہلک ترین ہتھیاروں کی تیاری اور ان کے پھیلاؤ کے مجرم ہیں اور امریکہ نے یہ ہتھیار برطانیہ کو منتقل کیے ہیں۔ یہ سب کچھ ۱۹۵۸ء کے باہمی دفاع کے معاہدے Mutual Defence Agreement کے قانونی دائرے میں ہوا جس کی ہر دس سال بعد امریکہ کی کانگریس تجدید کرتی ہے اور جس کی تجدید اس سال بھی ہونی ہے۔ امریکہ سے برطانیہ کو مہلک ترین ہتھیاروں کی فراہمی ہی برطانیہ کی طرف سے امریکی پالیسی کی حمایت کی ضامن ہے۔ اس وقت جو مہلک ترین ہتھیار امریکہ سے برطانیہ برآمد کیے جا رہے ہیں ان میں ٹرائیڈنٹ ڈی ۵ میزائل (Trident D5 Missiles) اور جوہری توانائی کے ہتھیاروں کے اجزائے ترکیبی (پرزے) اور ان کی ٹیکنالوجی شامل ہیں۔ برطانیہ بھی اپنے جوہری توانائی کے ہتھیاروں کو ٹیسٹ کرنے کے لیے امریکہ میں نوادا کے مقام پر عرصے سے دھماکے کر رہا ہے۔ جوہری توانائی کے ہتھیاروں اور بے حد مہلک ہتھیاروں پر امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے مشترکہ طور پر جو آج کل کام ہو رہا ہے اس میں ٹیکنیکل معلومات کے باہمی تبادلے میں مندرجہ ذیل موضوعات شامل ہیں:۔

حرکی اثرات کی ٹیکنالوجی Kinetic Effects Technology

توانائی پیدا کرنے والے مواد Energetic Meterials

جوہری توانائی پیدا کرنے والے مواد Nuclear Mateials

بجلی کے مختلف آلات کے ذریعہ دھماکہ خیز مواد کے بھرنے کے طریقے اور ٹیکنالوجی

Warhead Electrical Components And Technologies

وہ مواد جن سے جوہری توانائی حاصل نہ کی جا سکے اور ان کو حاصل کرنے کی سہولتیں

Non-Nuclear Materials, facilities

جوہری توانائی کے ہتھیاروں کی انجینئرنگ Nuclear Weapons Engineering

دھماکہ خیز مواد رکھنے والے جوہری توانائی کے ہتھیاروں کی فزکس

Nuclear Warhead Physics

دھماکہ خیز مواد رکھنے والے جوہری ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی

Computatonal Technology

ائیر کرافٹ میزائل اور کرۂ ہوائی کے لطیف و کثیف حصے

Aircraft Missile And Space System Hardening

مادے کے بہت زیادہ حرارت اختیار کرنے سے توانائی حاصل کرنے کا علم

Laboratory Plasma Physics

مادے کی پیداوار کا حصول

Manufacturing Practices

جوہری توانائی کے وار ہیڈ کے اندر اچانک دھماکہ اور اس پر قابو پانے کی ٹیکنالوجی

Nuclear Warhead Accident Response Technology

جوہری توانائی کے مختلف کوڈ نمبر جو صیغۂ راز میں رکھے جاتے ہیں

Nuclear Weapon Code Development

برطانوی پارلیمنٹ میں جوہری توانائی کے مخالف ممبر ایلان سمپسن (Alan Simpson) کے سوال کے جواب میں پارلیمنٹ کے افسران نے ایک سرکاری بیان میں مندرجہ بالا فہرست فراہم کی تھی جس سے بے حد مہلک ہتھیاروں کے شعبے میں امریکہ اور برطانیہ کی طرف سے بہت بڑے پیمانے پر جوہری توانائی کے پھیلاؤ کا اندازہ ہوتا ہے۔اس اشتراک سے ان کوششوں کا بھی اظہار ہوتا ہے جو امریکہ اور برطانیہ جوہری توانائی کے ہتھیاروں کو زیادہ قابل استعمال بنانے کے لیے کرتے رہے ہیں۔اس فہرست سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ملک بین الاقوامی معاہدوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے اور ان کی خلاف ورزی کے جرم میں حکومتی سطح پر مرتکب ہیں۔

امریکہ اور یورپ کے حوالے سے حکومتی سطح پر جو جوہری توانائی کا پھیلاؤ عمل میں آتا رہا ہے اس کے پیش نظر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف پاکستان ہی کو کیوں اکیلا ذمہ دار قرار دیا جائے جب کہ پاکستان میں حکومتی سطح پر جوہری توانائی کے پھیلاؤ کی حمایت کو اختیار نہیں کیا گیا درآں حالیکہ پاکستان نہ تو این پی ٹی (NPT) کا رکن ہے اور نہ این ایس جی (NSG) کا؟ دوسرے یہ کہ صرف پاکستان کے شہری ہی کیوں عالمی سطح پر اس مسئلے میں قربانی کا بکرا بن جائیں؟ کیا پاکستان کے ساتھ یہ عمل پاکستان کے اسلامی ملک ہونے کی وجہ سے کیا جا رہا ہے کیونکہ پاکستان کی ترقی کا کوئی بھی پروگرام مغرب کو ہمیشہ سے بے چین کر دیتا ہے؟

ڈاکٹر خان کے معاملے میں امریکہ کا اوپن ہیمر کیس (Oppenheimer Case) ذہن میں آتا ہے۔رابرٹ اوپن ہیمر جو بابائے ایٹم بم کہا جاتا ہے جس سے امریکہ کے اٹامک انرجی کمیشن Atomic Energy

Commission نے اس کے بے خطر ہونے کی ضمانت واپس لے لی تھی جب ہائیڈروجن بم کی تیاری کے مسئلے پر اس کے خیالات سے اتفاق نہیں کیا گیا اور اس کی وفاداری مشکوک ہوگئی۔ کیونکہ اس پر الزام عائد کیا گیا کہ اس کا رابطہ کمیونسٹ پارٹیوں اور کمیونسٹ گروپوں سے ہے۔ حد سے زیادہ اشتراکیت نواز سرگرمیوں یا حکومت سے غداری کی تہمت لگائے جانے کے دور میں جسے (Mccarthyism) میکارتھی ازم کہا جاتا ہے اوپن ہیمر کے معاملے کی چھان بین کی گئی اور معلوم ہوا کہ ۱۹۵۳ء میں ایٹمی توانائی کے کمیشن نے اس کے بے خطر ہونے کی ضمانت واپس لے لی اور یہ فیصلہ ایک کے مقابلے میں چار کی اکثریت سے کیا گیا۔ ۱۹۶۳ء میں امریکہ کی حکومت نے اس کی سابقہ حیثیت کو بحال کر دیا لیکن اس کے لیے اسے جس آزمائش سے گذرنا پڑا اس نے اسے بہت نقصان پہنچایا جب کہ اس نے امریکہ کی خدمت میں ساری عمر گذار دی تھی۔ اس معاملے میں طنز یہ ہے کہ اسے سب سے زیادہ نقصان اس کے ساتھی سائنسدان ایڈورڈ ٹیلر Edward Teller نے پہنچایا جو ہائیڈروجن بم بنانے کے حق میں تھا اور جسے اس بم کے بنانے کے سلسلے میں اوپن ہیمر کی مخالفت ناقابل برداشت ہوگئی تھی لہذا نظریاتی شکوک نے مرکزی شکل اختیار کر لی اور ٹیلر نے سیکیورٹی بورڈ کو بتایا کہ وہ امریکہ کے عظیم مفادات کو صرف ایسے ہاتھوں میں دینا پسند کرے گا جن سے وہ اچھی طرح واقف ہے اور جن پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال امریکن یہ بتاتے ہیں کہ اوپن ہیمر کے معاملے میں ہائیڈروجن بم بنانے کے اقتصادی پہلوؤں کی بجائے اس کے نظریات اس کے زوال کا سبب بنے لیکن بالآخر نتیجہ ایک ہی جیسا نکلا۔ پاکستانی نقطۂ نظر سے امریکی ایٹمی توانائی کا کمیشن جس نتیجے پر پہنچا تھا وہ قابل توجہ ہے۔ سیکیورٹی بورڈ کے مطابق گو اوپن ہیمر ایک تابعدار شہری ہے جس کی شاندار خدمات کے لیے پورا ملک ممنون ہے لیکن اس کے کردار اور اس کے تعلقات سے اندازہ ہوا کہ وہ ملک کی حفاظت اور سلامتی کے تقاضوں کے منافی ہیں۔ یہ معاملہ صرف اتنا ہی ہے۔ اس سے زیادہ نہ پریس نے اس کے خلاف

چھان بین کی اور نہ امریکہ کے بابائے بم کے خلاف کوئی مزید کارروائی ہوئی۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے یہ واضح ہوگیا ہے کہ دنیا کو پاکستانی سائنسدانوں کے اعترافات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ دراصل امریکہ اور یورپ کا ہدف پاکستان کا جوہری توانائی کا پروگرام ہے جسے وہ ہندوستان کے جوہری توانائی کے حصول کے خلاف ردعمل کے طور پر تسلیم کرنے کے لیے کسی طرح بھی تیار نہیں ہیں۔ یہ بھی قابل غور ہے کہ جوہری توانائی کے اس مسئلے سے پاکستان کا فوجی ادارہ بھی متاثر ہو رہا ہے جو ملک کے اندر واحد مربوط ادارہ ہے۔

اس حوالے سے اب تک ہمارے اعلانیہ اعترافات کو بہت اچھالا جا چکا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم جوہری توانائی کے مسئلے پر بحث ومباحثے کو ختم کر دیں کیونکہ ہمارے اس بحث ومباحثے سے دنیا لطف اندوز ہو رہی ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس ہو جانا چاہیے کہ ہمارے خلاف کوئی تحقیقات نہیں ہو رہی بلکہ این پی ٹی (NPT) کے حوالے سے ایران اور لیبیا کے خلاف تحقیقات ہو رہی ہیں۔ ان دونوں ملکوں نے این پی ٹی (NPT) کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کی خلاف ورزی کی ہے لہذا انہیں ان پابندیوں پر عمل پیرا ہونے کے لیے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی مملکت نے کوئی غلط عمل نہیں کیا ہے اور اسی پر ہمیں قائم رہنا چاہیے۔ یہ بھی صحیح ہے کہ یہ بات یورپ کے ان ملکوں کے متعلق نہیں کہی جا سکتی جو این پی ٹی (NPT) کے ممبر ہیں اور جن کے شہریوں نے جوہری توانائی کی ٹیکنالوجی کے نٹ بولٹ تک دوسرے ملکوں کو فراہم کیے ہیں اور کرتے رہتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی مذمت کیوں نہیں کی گئی اور ان کے افراد کو کیوں بے نقاب نہیں کیا گیا؟

لہذا اب ہمیں اس سارے مسئلے پر بحث ومباحثے کو ختم کر دینے کی ضرورت ہے کیونکہ جوہری توانائی کے شعبے میں قومی سطح پر ہم نے مکمل انتظامات کر لیے ہیں۔ ۲۰۰۰ء میں نیشنل کمانڈ اتھارٹی قائم کر دی گئی ہے جس کی سیکریٹریٹ اسٹریٹجک پلانز ڈویژن Strategic Plans Division (SPD) ہے۔ اس کے بہت سے فرائض

ہیں۔ان میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ وہ کامرس منسٹری سے نکاسی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کے علاوہ برآمدات کے لیے اندرونی انتظامات کا بھی خیال رکھتا ہے۔غیر فوجی یعنی سویلین سہولتوں کے لیے نیشنل ریگولیٹری اتھارٹی National Regulatory Authority(NRA) ۲۰۰۱ء میں قائم کر دی گئی ہے۔یہ ایک خودمختار ادارہ ہے جو پاکستان کے نیوکلیر سیفٹی کنونشن میں شامل ہونے کے بعد قائم ہوا ہے۔توانائی کی تمام تنصیبات کی اجازت دینا اور تمام تابکاری مواد ات کی رجسٹریشن (بشمول فوجی اسپتالوں میں استعمال ہونے والے آلات کی رجسٹریشن) پاکستان کے اس ادارے کی ذمہ داری ہے جس میں درآمدات اور ان کی تقسیم، توانائی کی تنصیبات کا تحفظ وغیرہ بھی شامل ہے۔

اس ادارے کی کارگذاری کا اندازہ ایک مثال سے ہو سکتا ہے۔۲۰۰۳ء میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (PAEC) چشمہ کی تنصیبات کے تحفظ کے بارے میں این آر اے (NRA) کو مطمئن نہ کر سکا لہٰذا اسے اپنے پلانٹ کو تحفظ سے متعلق تمام اندیشے دور ہونے تک بند کرنا پڑا۔کنوپ (KANUPP) بھی ایک سال سے زیادہ عرصے سے بند ہے حالانکہ پی اے ای سی (PAEC) نے احتجاج بھی کیا ہے اس کے لیے دوبارہ اجازت لینا ضروری ہے۔

اگر جوہری توانائی کے پھیلاؤ کے مسئلے کو جس کا پاکستانی سائنسدان نشانہ بنے ہوئے ہیں قطعی طور پر ختم نہیں کر دیا جاتا تو اندیشہ اس بات کا ہے کہ پاکستان سے یہ مطالبہ ہوگا کہ پاکستانی سائنسدانوں سے براہ راست رابطہ کرنے کی اجازت دی جائے اور جو معلومات انہوں نے حکومت پاکستان کو فراہم کی ہیں ان کا بھی جائزہ لیا جائے۔ہمیں اس عمل کی کسی صورت میں بھی اجازت نہیں دینا چاہیے ورنہ ہمیں مزید مذمت اور سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا۔ امریکہ کے تجزیہ نگار پہلے ہی سے اپنی حکومت کو اس جانب متوجہ کر رہے ہیں کہ امریکہ پاکستان کے جوہری توانائی کے پروگرام کے تحفظ کی نگرانی کرے جس میں جوہری توانائی کے سائنسدانوں سے ادویات کے ذریعے معلومات حاصل کرنا اور پاکستان کے جوہری توانائی کے تمام کوائف معلوم کرنا شامل ہیں۔اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پاکستان اپنے

جوہری توانائی کے پروگرام کو امریکہ کے حوالہ کردے۔اگر کچھ لوگوں کو اس میں شک ہے تو وہ ۱۱ جنوری ۲۰۰۴ء کے لاس اینجلس ٹائمنز Losangeles Times کے شمارے کے آراء کے کالم میں جون ولفس تھل (Jon Wolfsthal) کے مضمون کو پڑھیں۔اس سلسلے میں کاکس رپورٹ (Cox Report) کو دیکھنا بھی دلچسپی سے باہر نہیں ہوگا جس میں امریکہ کی جوہری توانائی اور میزائل ٹیکنالوجی کی سہولتوں کے تحفظ کے بارے میں امریکہ کی ناکامیوں کا ذکر ہے۔

ستر اور اسی کی دہائیوں کی طرح فی الوقت پاکستان ایک مرتبہ پھر جوہری توانائی کے مسئلے پر دباؤ میں ہے اور اپنے سائنسدانوں سے باز پرس کرنے کے عمل نے اس دباؤ کو اور بڑھا دیا ہے۔ڈاکٹر خان کی معافی میں مشروط معافی کی تبدیلی اور پاکستان کی تحقیقاتی کاروائیوں میں کسی مداخلت کی اجازت نہ دینے کے مصمم ارادے کے باوجود امریکہ کی مداخلت کے لیے رضامندی کے اظہار نے یورپ، جاپان اور آئی اے ای اے (IAEA) کو بھی موقع دیا ہے کہ وہ ہماری اس نرمی سے دھکم پیل کے ذریعے فائدہ اٹھائیں۔

ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ پاکستان اس بات کو واضح کردے کہ معافی کا مسئلہ پاکستان کا اندرونی مسئلہ ہے۔ پہلے ہی پاکستان نے اپنے قومی ہیرو سے باز پرس کر کے جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کے طریقوں کی پابندی سے اتفاق کیا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اندرونی اور بیرونی دونوں طرف سے بداندیش مفاد پرست عناصر اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے لیکن اس سے بیرونی لیڈروں اور ان کے نمائندوں کے اسلام آباد کا رخ کرنے کے مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔

کچھ عرصہ خاموشی اختیار کر کے ہندوستان نے بھی بالآخر پاکستان کے جوہری توانائی کے پروگرام کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ ہندوستان کو مخالفت کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا تھا لہٰذا ہندوستان

کے وزیر خارجہ جسونت سنگھ نے ۶ فروری کو اعلان کیا کہ ڈاکٹر خان کا مسئلہ یہیں ختم نہیں ہو جائے گا کیونکہ یہ مسئلہ پاکستان کا محض اندرونی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق پوری بین الاقوامی برادری سے ہے۔ ہندوستانی تجزیہ نگار بین الاقوامی مجالس کے ذریعے بھی پاکستان کی جوہری صلاحیت کی مخالفت کر رہے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ ہندوستان کی جوہری صلاحیت کو تنقید کا نشانہ نہ بننے دیں تاکہ ہندوستان بین الاقوامی برادری سے اپنی جوہری صلاحیت کو باضابطہ منوا کر اس کے جواز کو بھی تسلیم کرا لے۔ مثال کے طور پر حال ہی میں واشنگٹن کے نیوکلیر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ Nuclear Research Institute میں ایک مباحثے کے دوران ٹائمز آف انڈیا (Times Of India) کے سابق ایگزیکٹیو ڈائریکٹر گوتم ادھکاری نے اعلان کیا کہ پاکستان جس سمت میں قدم بڑھا رہا ہے اس کے خلاف اضطراب برابر بڑھتا جا رہا ہے۔

لہٰذا اب پاکستان کو کیا کرنا چاہیے؟ پہلی بات یہ ہے کہ خود تادیبی کا وقت گذر چکا۔ ہم جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کے سلسلے میں بھی خاصے آگے بڑھ چکے ہیں اور اب ہمیں یہ واضح کر دینا چاہیے کہ ہم اپنی جوہری توانائی کی صلاحیت کو کسی طرح بھی ناقابل استعمال یا ناکارہ نہیں بننے دیں گے جو ہم نے بہت سے شدائد کا مقابلہ کر کے حاصل کی ہے۔ دراصل ہم تو ایک ذمہ دار ایٹمی طاقت کی حیثیت سے اپنا کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہماری اس حیثیت کو تسلیم کیا جانا چاہیے۔ ذمہ داریوں اور فرائض کا احساس استحقاق کے تسلیم کیے جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اولاً جیسا کہ حال ہی میں اور فروری ۲۰۰۳ء میں بھی جوہری توانائی کے پھیلاؤ اور تحفظات کے سلسلے میں ہونے والے ویانا (Vienna) کے سیمینار میں میں نے تجویز کیا تھا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان، ہندوستان اور اگر ممکن ہو سکے تو اسرائیل کو بھی جوہری توانائی کے حامل ملکوں کی حیثیت سے جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کے عالمی ادارے کے تحت لے آیا جائے۔ ایسا کرنے کے لیے این پی ٹی (NPT) میں ایک اضافی نظم وضبط

کے قواعد کا مسودہ (Protocol) شامل کرنا ہوگا جس کے یہ ممالک جوہری توانائی کے حامل ملکوں کی حیثیت سے پابند ہوں گے۔

این پی ٹی پر ریویو کے لیے ۲۰۰۵ء میں کانفرنس ہونے والی ہے۔این پی ٹی کے سلسلے میں ریویو کا مقصد ہی یہ ہے کہ وقفے وقفے کے بعد اس بات پر غور کیا جائے کہ این پی ٹی کو کس طرح زیادہ سے زیادہ مؤثر بنایا جا سکتا ہے۔اضافی تحفظات کے لیے نظم وضبط کے قواعد کا مسودہ (Protocol) بھی تو این پی ٹی میں کافی دیر کے بعد شامل کیا گیا تھا۔

اسی طرح پاکستان اور ہندوستان کو این پی ٹی کے زیر اثر لانے کے لیے ایک نئے پروٹوکول کا اضافہ اس مسئلے کا واحد حل ہے۔ جوہری توانائی کی حامل مملکت کی حیثیت سے جب تک ہم این پی ٹی کا حصہ نہیں بنیں گے ہمیں جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کے قواعد اور ذمہ داریوں کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حسن اتفاق سے بہت سے یورپین ملکوں نے پاکستان اور ہندوستان کے لیے اس اضافی پروٹوکول کے نظریے کو تسلیم کیا ہے حالانکہ یہ احساس بھی پایا جاتا ہے کہ ممکن ہے اسرائیل اپنے جوہری توانائی کے خول سے باہر آنا پسند نہ کرے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک اسرائیل کو بے حد مہلک ہتھیاروں (WMD) کے مسولے پر بحث میں شامل نہیں کیا جاتا جوہری توانائی کے عدم پھیلاؤ کی کوششوں میں بہت کم کامیابی کا امکان ہے۔

اس سلسلے میں اور بھی خود اقدامی کے طریقے ہیں جن کو پاکستان اختیار کر سکتا ہے جو وقتاً فوقتاً تجویز کیے گئے ہیں۔مثال کے طور پر اس میں کوئی حرج نہیں کہ پاکستان کی حکومت اخود اپنی طرف سے این ایس جی اور ایم ٹی سی آر کی ہدایات کے پابند ہونے کا اعلان کر دے۔

ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم علی الاعلان پی ایس آئی کے رکن بننے کے لیے کوشش کریں جس میں تقریباً ۱۱ ملک شامل ہیں جو سب کے سب مغربی ممالک ہیں۔اس سلسلے میں ہمیں صرف گہرے سمندروں میں

ممانعت کے مسئلے پر اعتراض ہوسکتا ہے ہمیں یہ بتا دینا چاہیے کہ ایسا عمل کیونکہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے لہذا اسے بین الاقوامی قانون کے مطابق ہونا چاہیے۔

فوری طور پر حالات کا تقاضا ہے کہ پاکستان کو ایران اور لیبیا کے معاملے میں مثبت انداز سے متحرک ہونا چاہیے اور اس بات کا مطالبہ کرنا چاہیے کہ پاکستان کو تحقیقات کرنے والوں کی ایک ٹیم جرمنی بھیجنے کی اجازت دی جائے جو جرمنی کے ان افراد سے پوچھ گچھ کرے جن کی ایران نے نشان دہی کی ہے اور جرمنی کے ایکسپورٹ کنٹرول سسٹم اور اس کی کمزوریوں کا جائزہ بھی لے۔ بہرحال ہمیں یورپ کے جوہری توانائی کی ٹیکنالوجی کے ناجائز کاروبار کے طور طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ پاکستانی سائنسدانوں نے اس میں صرف تھوڑا سا حصہ لیا، اس کا مواد اور اس کے نٹ بولٹ یورپ نے فراہم کیے۔ اب جب کہ ہمارے سائنسدانوں کو عوام کی نظروں میں ذلت اٹھانی پڑی ہے اور حکومت کی طرف سے بھی ان کی مذمت کی گئی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم یورپی ممالک سے بھی یہ توقع رکھیں کہ وہ بھی اپنے شہریوں سے جو اس جوہری توانائی کے پھیلاو میں ملوث ہیں ایسا ہی برتاؤ کریں۔ امریکہ اور فرانس جیسے ملکوں کے ساتھ جو اسرائیل کو جوہری توانائی فراہم کرنے میں ملوث ہیں کیا برتاؤ ہونا چاہیے یہ ایک دلچسپ مسئلہ ہے بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ امریکہ اپنے اتحادیوں یعنی اسرائیل اور برطانیہ کو برابر جوہری توانائی فراہم کر رہا ہے۔

اب امریکہ نے غیر فوجی یعنی سویلین جوہری توانائی، فضائی ترقی اور میزائل کے ذریعے تحفظ کے شعبوں میں ہندوستان کے ساتھ ایک نیا معاہدہ کرلیا ہے۔ ان دوہرے عمل والی ٹیکنالوجیز کی بالادستی کے پیش نظر اس معاہدے کی اس اعتبار سے کون نگرانی کر سکے گا کہ ان ٹیکنالوجیز کا پھیلاؤ نہ ہو۔

لہذا جوہری توانائی کے پھیلاؤ کے مسئلے کے سلسلے میں ایک بالکل نئے رجحان کی ضرورت ہے لیکن یہ نہیں ہو سکے گا کیونکہ کچھ ملک اس سلسلے میں اپنے ساتھ امتیازی سلوک کے داعی ہیں جیسا کہ آئی اے ای اے کے افسر خاص

البرادی نے کہا ہے:۔

''ہمیں اس ناقابل عمل نظریے کو ترک کر دینا چاہیے کہ کچھ ممالک کے لیے بے حد مہلک ہتھیاروں کا استعمال اخلاقی اعتبار سے قابل مذمت ہے جب کہ کچھ ملکوں کے لیے نہ صرف اپنے تحفظ کی خاطر بلکہ اپنی صلاحیتوں کو بہتر بنانے اور ان کے استعمال کے لیے تدابیر اختیار کرنے کا جواز ہے''۔